© rasailojaraid.com

واقعہ کربلا

تاریخ کے آئینے میں

تحریر: محمود مرزا جہلمی چیف ایڈیٹر ''صدائے مسلم'' جہلم

واقعہ کربلا، تاریخ اسلام کا ایسا زخم ہے جو گزشتہ پونے چودہ سو سال سے رس رہا ہے اور شاید کبھی نہ بھرے گا کیونکہ یہ محض تاریخ نہیں رہا بلکہ دین شیعہ کی بنیاد ہے افسوسناک امر، جو اس افسوسناک واقعہ کی طرح ہی دل خراش ہے، یہ ہے کہ اس واقعہ فاجعہ کی کوئی الیی مستند تاریخ میسر نہیں اور اس کی عدم دستیابی کے باعث، اصل واقعہ کی کوئی بھی سچی تصویر سامنے نہیں آسکتی۔ کہا جاتا ہے کہ تاریخ ابن خلدون کے جو نسخے دنیا میں موجود ہیں، ان میں سے وہ صفحات واوراق سرقہ کرئے گئے ہیں جو اس کی صورت حقہ بیان کرتے تھے۔ یہ کوئی اتفاق تھا یا عمداً ایسا کیا گیا؟ اس کا جواب بھی قیاس ہی ہوسکتا ہے مگر قیاس راجح بہ امکان ثانی ہے۔

چونکہ ثقہ روایات یا اس دور کے معروف وقائع نگاروں کی عدم دستیابی یا عدم دلچسپی کا عالم تھا، اس لئے یہ نہایت ہی اہم واقعہ ظن وتخمین، قیاس آرائی، خیال آرائی اور حاشیہ آرائی کے امکانات کی زد میں رہا۔ اسلام کے قرن اول کے نصف آخر میں رونما ہونے والا یہ واقعہ اس دور کے مورخین اور وقائع نگاروں سے اوجھل رہا یا ان کے قلم پر کسی استبدادی حکومت نے قدغن عائد کر رکھی تھی؟ اہل علم کا ایک طبقہ برملا اموی خلفا پر یہ الزام دھرتا ہے کہ انھوں نے معاصرین کے قلم پر پہرے بٹھادیئے تھے۔ مگر اس الزام کو درست مان لیں تو منطقی طور پر یہ کہنا پڑتا ہے، جو تاریخ اس واقعہ سے وابستہ ہے وہ جبر واستبداد کے پہرے توڑ کر ہم تک پہنچی ہے۔ اب یوں غور کریں، واقعہ کربلا کا خلاصہ اور سب سے دردناک حصہ اور ظالمانہ نچوڑ تو یہی ہے کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو امیر یزید کے دور حکومت میں قتل کرایا گیا۔ گویا جبر واستبداد نے تفصیلات کو تو مسخ کرادیا یا حقائق تو صفحۂ تاریخ پر نہ آنے دیا مگر روح واقعہ یعنی قتل حسینؓ بایماء امیر یزید استبداد کے سارے بندھ توڑ کر ہم سب کو معلوم ہوگئی اور اگر یہ بات درست ہے تو سوچنا چاہئے کہ بنوامیہ کی استبدادی قوتوں کو کیا حاصل ہوا؟ سبط رسولؐ کے قتل ناحق کا الزام تو ان پر برقرار رہا۔ اب اگر یہ تسلیم نہ کریں کہ عباس علم بردار دونوں بازو کٹا کر بھی سیدہ سکینہؓ کی تشنگی مٹانے میں ناکام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رہے، خیام کا جلنا بھی نہ مانیں، بیمار کربلاؑ کی بے بسی کے واقعات کو بھی نہ تسلیم کریں۔ سیدنا حسینؓ کا رأس بریدہ کا سرنیزہ پہ ہونا بھی قبول نہ کریں تو کیا امیر یزید پر قتل حسین کے الزام کی سنگینی میں کوئی کمی واقع ہو جاتی ہے؟ نہیں ہرگز نہیں۔ ان حالات میں یہ سوال اہمیت اختیار کر جاتا ہے کہ اگر بنوامیہ کی مبینہ استبدادی قوتوں یا قوتِ نے کربلا کی تاریخ مرتب ہی نہ ہونے دی تھی تو موجودہ تاریخ جو نویا دس ذی قعدہ ۵۹ھ سے شروع ہوئی اور ایک ایک لمحہ کا حساب بیان کرتی ہوئی اس محرم ۶۰ھ پر آ کر ختم ہوئی ہے وہ کہاں سے آ گئی۔ جس طرح یہ واقعات بیان کئے جاتے ہیں اور جس دلسوزی سے جزئیات تک بیان کی جاتی ہیں، اس پر نظر کریں تو پورا منظر نامہ یوں آنکھوں کے سامنے آ جاتا ہے جیسے بیان کرنے والا خود وہاں موجود تھا۔ ان واقعات کا یہ بیان دو حال سے خالی نہیں ہے (الف) بنوامیہ نے کوئی قدغن سرے سے لگائی ہی نہیں تھی اور یہ الزام محض ہے۔ (ب) واقعی انہوں نے یہ پابندی عائد کی تھی اور تاریخ کربلا مرتب نہ ہونے دی تھی تو جو تاریخ بیان کی جاتی ہے وہ سراسر خیالی اور قیاسی ہے۔

جیسا کہ میں نے پہلے بیان کیا ہے کہ معاصر وقائع نویسوں نے اسے کیوں نہ اہمیت دی؟ کیونکہ واقعات عالم تو اپنے ظہور و صدور کا وجود خود ہی پا لیتے ہیں۔ بات یہ نہیں کہ انہوں نے اہمیت نہ دی یا اس کی اہمیت گھٹانے کی کوئی کوشش کی۔ اس دور کا مورخ بڑا ہی بے باک اور آزاد تھا۔ آخر دور بنوامیہ اور اوائل بنوعباس میں مسئلہ خلق قرآن رونما ہوا۔ خلفاء نے کیا کیا جتن اور کیا کیا ستم نہ ڈھائے کہ کسی طرح اس مسئلہ پر آئمہ معاصرین کو اپنا ہم نوا بنالیں، پر وہ ایسا نہ کر سکے اور یہ سارا ریکارڈ تاریخ نے محفوظ کرلیا۔ لہذا یہ بات بھی قرین قیاس نہیں کہ معاصر مورخین نے اسے نظر انداز کر دیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ آج ہمارا یہ تقاضا ہے کہ اسے اسی دور کے مورخ کو زیادہ اہمیت دینا چاہئے تھی جبکہ اس نے اسے اتنی اہمیت بہر حال دی تھی جو اس کا حق تھا کیونکہ اسے اس کی اہمیت سے کوئی تعصب نہ تھا۔

مستند تاریخ کی عدم دستیابی کے باعث اہل علم اس پر طبع آزمائی کرتے رہے اور اب ایک نئی رائے سامنے آئی ہے کہ دراصل یہ واقعہ سیدنا حسینؓ اور امیر یزید جنگ اقتدار کا شاخسانہ تھا اور اس طویل خانہ جنگی اور خون ریزی کا نتیجہ تھا جو علیؓ معاویہؓ کشمکش کے عنوان سے تاریخ کا حصہ ہے۔ ان کی رائے یہ ہے کہ اگر سیدنا حسینؓ کوفہ سے وہ حربی قوت حاصل کر لینے میں کامیاب ہو جاتے، جس پر انہیں بھروسہ تھا اور وہ کوفہ پر قبضہ کر کے وہاں اپنے قدم جما لینے میں کامیاب ہو جاتے تو وہ امیر یزید سے حکومت چھین لیتے اور یوں اقتدار انہیں مل جاتا۔ یہ دلیل واقعی قوی ہے لیکن تاریخ خلافت کا عمیق مطالعہ اس کی تائید و تصدیق نہیں کرتا۔ میرے نزدیک یہ مفروضہ اس لئے بھی محل نظر ہے کہ سیرت حسینؓ سے میل نہیں کھاتا۔ حضرت حسینؓ ان حالات و واقعات کے چشم دید گواہ تھے جو علیؓ معاویہؓ کشمکش کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دوران رونما ہوتے رہے۔ وہ حالات کے اس جبر سے بھی آگاہ تھے جس کے تحت ان کے برادر بزرگوار سیدنا حسنؓ نے سیدنا معاویہؓ سے راضی نامہ کیا تھا اور مذلل المومنین کا خطاب پایا تھا۔ مگر حسینؓ اپنے بھائی کے برعکس راہ اپنا کر بھی تو اس ذلت کا کچھ مداوانہ کر سکے جو بقول ناقدین حسنؓ ان کی وجہ سے مومنین کے حصے میں آئی تھی۔

سیدنا حسینؓ کی سیرت میں جاہ پرستی کا کوئی عنصر نہ تھا۔ جس سے تحریک پا کر وہ نہایت بے سروسامانی کے عالم میں کوفہ جانے کا خطرہ مول لیتے۔ وہ کوئی طالع آزمانہ تھے۔ جو اپنے ساتھ معصوم بچوں کی ننھی جانیں بھی داؤ پر لگا دیتے۔ حیات حسینؓ کا ایک ایک لمحہ ان کی پرہیز گاری، عبادت گزاری، بے نفسی، دنیا اور مال دنیا سے بے رغبتی پر گواہ ہے۔ حضرت حسینؓ پیکر صبر و وفا تھے۔ وہ شاہ بھی تھے، بادشاہ بھی تھے اور شہزادہ بھی تھے مگر یہ بادشاہی اور شہزادگی مروجہ معانی میں نہ تھی بلکہ یہ نام اصحاب رسولؐ کی اس محبت کا مظہر تھا جو انہیں آپ سے تھی اور جنہوں نے آپ کو دوش پیغمبرؐ پر سواری کرتے اور دامن محمدؐ میں کھیلتے دیکھا تھا۔ جب سیرت حسینؓ میں حب دنیا کا کوئی خفیف سا عنصر بھی نظر نہیں آتا تو پھر وہ اسی دنیا کا اقتدار حاصل کرنے کیلئے، امیر یزید سے جنگ کیوں کر کر سکتے تھے۔ وہ ہستی جو دن میں سینکڑوں مساکین کو نہال کر دیتی اور جس کے در سخا سے سوالی جھولیاں بھر کر لے جاتے مگر رات ہوتی تو وہ ذات فاقہ کرتی، اسے اقتدار کی خاطر اپنا سب کچھ لٹا دینے کی کیا حاجت تھی؟ یہ دلیل تو ہم نے سیرت حسینؓ کے حوالے اور مطالعے سے پکڑی اب واقعاتی طور پر بھی دیکھ لیں۔ اہل کوفہ دیر سے حسین کو دعوت دے رہے تھے کہ اگر وہ امیر یزید کے خلاف خراج کریں تو وہ ان کا ساتھ دیں گے۔ مگر وہ ان کی ہر تحریک کو مسترد کرتے رہے تا آنکہ تیس 30 ہزار خطوط آپ کے پاس جمع ہو گئے۔

اہل کوفہ ایسا کیوں کرتے حضرت حسینؓ ان کی دعوت کو درخورِ اعتناء کیوں نہ جانتے اس کا جواب بڑا اہم ہے۔ اول یہ کہ وہ اپنے ضمیر کی خلش سے ایسا کرتے۔ انہوں نے اپنی دغابازیوں سے حضرت علیؓ سے کوفی لایوفی (بے وفا) کا خطاب پایا تھا۔ وہ یہ ضرور چاہتے تھے کہ حضرت حسینؓ اگر کسی طرح میدان میں اتریں تو ان کی مدد کر کے اپنے دامن سے ''یزیدیوں کا داغ دھوڈالیں۔ اور یہ کہ وہ شیعانِ علیؓ کہلاتے تھے مگر اب اموی خلافت میں انہیں اپنا وجود برقرار رکھنا مشکل ہو رہا تھا۔ حسنؓ معاویہؓ راضی نامہ کے نتیجے میں امت پوری طرح سیدنا امیر معاویہؓ کے حق میں ہو چکی تھی اور وہ سیاسی ضرورت ہی ختم ہو چکی تھی جس کے تحت شیعان علیؓ اور شیعان معاویہؓ عالم وجود میں آئے تھے۔

اور یہ کہ اہل کوفہ ان سے پہلے سیدنا حسنؓ کو اپنے دامِ دغا میں لانے میں ناکام ہو کر انہیں ''مذلل المومنین'' کہنے لگ گئے تھے تو یا حسنؓ نے معاویہ سے صلح کر کے شیعان علیؓ کو ذلت میں مبتلا کر دیا تھا۔ یہ کوئی فکر تھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جبکہ حقیقت یہ تھی کہ حسنؓ کوفہ کے اس سوراخ سے ڈسے جانے پر تیار نہ ہوئے جس سے ان کے والدگرامی ڈسے گئے تھے۔اس کوفی فکر کو پروان چڑھانے میں انھی سپاہیوں کی پرکاری شامل تھی جو قتلِ عثمانؓ میں شریک تھے۔

اب دوسرا پہلو دیکھئے۔امیر یزید کے دل میں خلش تھی کہ حسینؓ کا انکار بیعت کسی بڑے خطرے کا الارم ہے۔ تاریخ کی شہادت موجود ہے کہ حسینؓ بیعت یزید سے انکاری تو تھے مگر وہ خروج کی کوئی منصوبہ بندی نہیں کررہے تھے اور نہ ہی امیر یزید سے اقتدار چھیننے کیلیئے عملاً کچھ کررہے تھے۔وہ تو ایوان صبرو قناعت میں محوِ عبادت تھے مگران پر مسلسل دباؤ ڈالا جارہا تھا کہ بیعت کریں۔امیر یزید کا خیال تھا کہ ان کا انکار بیعت کسی بھی وقت مصیبت کا باعث بن سکتا ہے۔اوروہ خوں ریزی جو حسنؓ معاویہؓ راضی نامہ کے نتیجے میں بند ہوئی تھی پھر سے شروع ہوسکتی ہے امیر یزید کو حسنؓ کے ساتھ کوفہ والوں کے روابط کا علم تھا جن کی موجودگی میں حسینؓ کا انکار بیعت واقعی خطرے کی علامت تھا۔مگر یہ دو الگ الگ موضوع تھے۔اہل کوفہ کی اپنی خلش تھی اورسیدنا حسینؓ کا انکار بیعت بالکل دوسری نوعیت کا تھا۔وہ انکار بیعت اس لئے نہ کررہے تھے کہ انھیں اہل کوفہ سے مدد کی امید تھی جس کے سہارے وہ امیر یزید کی حکومت گراسکتے تھے بلکہ وہ بیعت سے اس لئے انکاری تھے کہ یزید کی خلافت بالکل غیر آئینی طریقہ پر قائم ہوئی تھی ۔ یہ انکار اس لئے نہ تھا کہ اس خلافت سے موروثی بادشاہت کی ابتدا ہوئی تھی ۔ کیونکہ اس کی نظیر علیؓ کے بعد حسنؓ کی خلافت کی صورت میں موجود تھی۔

ہوایوں کہ امیر معاویہؓ اپنے بعد اس آگ کے پھر سے بھڑک اٹھنے کے امکانات دیکھ رہے تھے جو حسنؓ معاویہؓ صلح سے بجھی تھی۔تاریخ میں یہ شہادت موجود ہے کہ وہ اپنی شوریٰ میں اپنے تردد کا اظہار کرتے رہتے اور آخری صلاح یہی ٹھہری کہ یہ مسئلہ اپنی زندگی میں حل کرجائیں اوراس فیصلہ میں ان کی شوریٰ کی نیک رائے شامل تھی۔ انہوں نے یہ اقدام اپنے بیٹے کے اقتدار کیلیئے نہ کیا تھا بلکہ اپنے بعد کسی بھی امکانی فتنہ کا سدباب کرنے کیلیئے کیا تھا۔مگر یہ غیر آئینی طریقہ تھا۔آپ کہیں گے اس وقت آئینی طریقہ کیا تھا اور آئین کہاں تھا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ خلفائے اربعہ کا انتخاب ایک آئینی طریقہ تھا اور آئین یہ تھا کہ مسلمانوں کے معاملات مشاورت سے طے ہوں گے۔امیر یزید کی جانشینی ان دونوں طریقوں سے ہٹ کر ہوئی تھی۔

حضرت حسینؓ کا انکار اس وجہ سے نہ تھا کہ یزید کا کردار ان کے نزدیک مشکوک تھا اور نہ ہی انھوں نے اپنے انکار کے لئے یہ دلیل پکڑی تھی بلکہ ان کا اختلاف اس طریقہ کار پر تھا جس کے تحت امیر یزید برسراقتدار آئے تھے مگر وہ عملاً کوئی ہاتھ پاؤں نہیں ماررہے تھے کہ اقتدار ان سے چھین لیں۔بس ایک فقہی اور جمہوری اختلاف تھا جس کا انھیں پورا پورا حق حاصل تھا اس سے آگے وہ گنبدِ تقویٰ میں محصور تھے۔اگر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

امیر یزید ان پر بیعت کیلئے دباؤ نہ بڑھاتے تو وہ جہاں تھے، بیٹھے رہتے۔ گورنر مدینہ نے دباؤ ڈالا تو راتوں رات مکہ تشریف لے گئے۔ وہاں بھی تعاقب جاری رہا تو کوئی راہ نہ پاتے ہوئے کوفہ کو چل پڑے مگر اہل کوفہ کی وفا پر بھروسہ نہ تھا اس لئے پہلے مسلم بن عقیلؓ کو ان کے اخلاص کی پڑتال کے لئے وہاں بھیجا۔ گویا اہل کوفہ پر انحصار کرنے کیلئے ابھی ان کے پاس کوئی ثبوت نہ تھا۔ اور پھر یہی ہوا کہ کوفیوں نے حضرت مسلم بن عقیلؓ کا سر قلم کر کے انعام کی رقم کھری کر لی اور ادھر حضرت امام حسینؓ سوئے کوفہ چل پڑے مگر ساتھ سوائے اہل وعیال کے کچھ نہ تھا۔ اب یہ سوال پیدا ہوتے ہیں:

ا۔ کیا اقتدار کی جنگیں اسی طرح لڑی جاتی ہیں؟ ب:۔ کیا تاریخ میں کوئی ایسا کشور کشا بھی گزرا ہے جو میدانِ جنگ میں اپنے بیوی بچوں کو بھی لے گیا ہو؟ ج:۔ کیا حضرت حسینؓ جیسا دانش مند انسان یزید کی وسیع و مضبوط حکومت کو بہتر افراد سے گرانے کا عزم کر سکتا تھا؟ د:۔ اگر حسین واقعی یزید سے اقتدار چھیننا چاہتے تھے تو بتانا چاہیئے کہ انھیں امیر یزید کی فوجی قوت کا اندازہ تھا یا نہیں؟ ر:۔ اگر تھا تو اس قوت سے ٹکرانے کے لئے حضرت حسینؓ نے کیا تدابیر کی تھیں؟ میدانِ کربلا میں شمر ذی الجوشن سے حضرت حسینؓ کا جو مکالمہ ہوا اس میں آپؓ نے اس کے سامنے تین تجاویز رکھیں۔ ا:۔ انھیں مشرقی سرحد پر جہاد کے لئے بھیج دیا جائے۔ ب:۔ انھیں واپس مدینہ جانے دیا جائے۔ ج:۔ انھیں ان کے ابن عم (یزید) کے پاس پہنچا دیا جائے۔ جبکہ شمر کا مطالبہ یہ تھا کہ وہ بیعت کریں۔

وہ شخص جو گھر سے جنگ اقتدار جیتنے نکلا ہو، کیا اپنے دشمن کے سامنے یہ شرائط بھی پیش کر سکتا ہے، نہیں، ہرگز نہیں، یہاں پھر وہی بات سامنے آتی ہے کہ حضرت امام حسینؓ نے بیعتِ یزید قبول نہ کی۔ بیعت سے انکار مگر یزید کے پاس جانے پر تیار ہونا اصل مسئلہ کی نشاندہی کرتا ہے پھر مشرقی سرحد پر جانے کا عزم بھی ظاہر کرتا ہے کہ حضرت حسینؓ کے نزدیک یزید کی حکومت کے تحت جہاد کرنا بھی روا تھا۔ اور مدینہ میں خاموش زندگی گزارنا بھی قبول تھا مگر بیعت نہ قبول تھی۔

اگر یزید کی طرف سے بیعت کیلئے دباؤ نہ بڑھایا جاتا تو وہ کبھی کوفہ کا عزم نہ کرتے کیوں کہ کوفیوں کی دعوت مدت مدید لہٰذا تیس ہزار خطوط پر محیط تھی مگر انھوں نے اس پر پہلے توجہ نہ دی تھی سوئے کوفہ کو چل پڑنا حالات کے جبر کے تحت تھا۔ اگر انھیں اس دعوت میں کوئی معقولیت نظر آتی تو وہ امیر معاویہؓ کی وفات کے ساتھ ہی کوئی عملی اقدام کر گزرتے اور کوفہ جانے سے پہلے اہل کوفہ کی وفا کی پڑتال کے لئے مسلم بن عقیلؓ کو نہ بھیجتے۔ یوں کوفہ کا سفر اسی طرح حالات کے جبر کے تحت جس طرح سے مدینہ سے مکہ کا سفر تھا اور یزید سے اقتدار چھیننے کیلئے نہ تھا اور یہ مجبوری یزید اور اس کے گورنروں کے دباؤ سے پیدا ہوئی تھی اور معاملہ صرف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسی قدر تھا کہ حضرت حسینؓ کو اس طریقہ کار سے اختلاف تھا جس کے تحت امیر معاویہؓ نے اپنے جیتے جی اپنے بیٹے کو امیر بنوا لیا تھا۔ حسینؓ صرف بیعت سے انکار کرتے تھے کیونکہ خلافت یزید خلفائے اربعہ کے طریقہ انتخاب کے مطابق قائم نہ ہوئی تھی۔ لہذا یہ کسی بھی طرح جنگ اقتدار نہ تھی۔

اب صرف ایک بات رہ گئی ہے کہ آخر جنگ کیوں ہوئی؟ جو تین شرائط حضرت حسینؓ نے شمر ذی الجوشن کو پیش کی تھیں وہ تو صلح کی پیشکش تھی۔ شمر جو حسینؓ کو کوفہ میں داخل ہونے سے روکنے کیلئے آیا تھا، آپ اسے کچھ بھی کہہ لیں مگر اس کی شخصی حیثیت اور سرکاری عہدہ قابل لحاظ تھا۔ وہ شخصی حیثیت میں سیدنا علیؓ کا برادر نسبتی تھا۔ علیؓ نے جس گھرانے سے مصاہرت کا رشتہ قائم فرمایا ہوگا وہ کم از کم معاشرے میں رذیل نہ شمار ہوتا ہوگا۔ سرکاری طور پر وہ فوج کا کمانڈر انچیف تھا۔ کسی کمانڈر کی آپ کتنی ہی تنقیص کر لیں، ہر ایک اسے بے شعور نہیں کہہ سکتے۔ اگر اس میں رتی بھر عقل و شعور تسلیم کر لیں تو ان شرائط کی موجودگی میں وہ جنگ کا مقصد نہ حاصل کر سکتا تھا۔ جب سیدنا حسینؓ نے یزید کے پاس جانے کی شرط رکھی تو شمر خوشی کے شادیانے بجاتا اور انہیں وہاں لے جا کر سرخرو ہوتا۔ حسینؓ جانتے اور یزید! یزید کی اس سے بڑی کامیابی کیا ہو سکتی تھی۔ ان حالات میں جنگ کا کوئی امکان نہ تھا، پھر یہ کیسے ہوئی؟

آپ اس روایت کو مصدقہ نہ مانیں تو بھی یہ تاریخ میں موجود ہے کہ جب سیدنا حسینؓ کا سر یزید کے سامنے لایا گیا تو اس نے تاسف کا اظہار کیا بلکہ ماتم کیا اور کہا کہ میں نے ایسا کرنے کا حکم تو نہ دیا تھا۔ اگر یہ روایت درست ہے تو شمر جس کے پاس قتل حسینؓ کی اتھارٹی نہ تھی کیوں کر اس کا ارتکاب کر سکتا تھا۔ یہ سب باتیں اس جنگ کے وقوع کے خلاف جاتی تھیں۔

ہوا یہ کہ جب حضرت حسینؓ نے امیر یزید کو اپنا ابن عم کہا تو برادران مسلم، جو حسینؓ کے اعیان و انصار تھے بھڑک اٹھے کہ قتل مسلم کے ذمہ دار افراد کو ابن عم کہنا ان کے زخموں پر نمک پاشی ہے۔ اور یہ کہ انہیں شمر سے قصاص مسلم لینا ہے۔ یہ کہ وہ شمر کے پچاس رکنی حفاظتی دستہ پر ٹوٹ پڑے۔ حسینؓ نے یہاں جو کلمات ادا فرمائے وہ بھی تاریخ کا حصہ ہیں۔ آخر انہوں نے حالات کے تیسرے جبر کے تحت تلوار اٹھائی اور ریگ کربلا آپؓ کا خون پی گئی۔

شمر دہائی دیتا رہ گیا کہ وہ جنگ کرنے نہیں بلکہ سفارت لے کر آیا ہے اور سفیر سے لڑنا روا نہیں مگر برادران مسلم نے ایک نہ سنی۔ حضرت حسینؓ کے بہتر افراد میں سے اگر بچے، خواتین اور بیمار نکال دیئے جائیں تو باقی افراد کی تعداد بھی 50 کے لگ بھگ ہو سکتی تھی اور شمر کا حفاظتی دستہ بھی 50 افراد پر ہی مشتمل تھا اور یہ ساری کاروائی گھنٹہ دو گھنٹہ میں ہو گئی ہوگی۔ باقی سب کچھ شاہ نامے اور جنگ نامے لکھنے والوں کی خیال آرائی ہے۔

© rasailojaraid.com